عالمِ عرب کی اسلامی تحریکیں ___ عمومی جائزہ

راشد الغنوشی / ترجمہ: محمد ظہیر الدین بھٹی

شمال مغربی افریقہ میں واقع عرب ممالک تیونس، الجزائر، مراکش، موریتانیا، لیبیا کو ایک ہی معاشرتی اکائی سمجھا جاتا ہے۔ اِن ممالک کی سرحدیں ان کا استحصال کرنے والی بڑی مغربی اقوام سے گھری ہوئی ہیں۔ یہ استعماری طاقتیں ماضی میں ایک سے زیادہ بار انھیں ہڑپ کر کے اپنے اپنے ملک میں شامل کرنے کی مذموم کوششیں کر چکی ہیں۔

اس خطے میں اسلامی تحریک گذشتہ صدی کی ۷۰ کی دہائی میں اس وقت برپا ہوئی جب اسے 'سیکولر' یا 'مغربی بنانے'، اس کی تہذیب کو کھوکھلا کرنے اور اسے دنیائے قدیم میں محصور کر دینے کی کوششیں کافی حد تک کامیاب ہو چکی تھیں۔ ان ممالک کے مسلم معاشرے، بالخصوص اسکولوں، یونی ورسٹیوں، کلبوں، انتظامی اور مالی امور کے شعبوں پر فرانسیسی چھاپ واضح طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔ مراکش اور تیونس دونوں ایک مدت سے فرانسیسی زبان اپنائے ہوئے ہیں۔ گذشتہ صدی کے ۶۰ اور ۷۰ کے عشرے میں یونی ورسٹیوں میں تدریس کی زبان فرانسیسی تھی۔ تاہم، طاقت ور اسلامی رجحان کی بدولت ۷۰ کے عشرے کے اختتام میں عربی کو تدریسی زبان بنوانے میں کامیابی نصیب ہوئی۔ تحریکِ اسلامی اللہ کے فضل و کرم سے ایک عشرے سے بھی کم عرصے میں اسلام کو نوجوان نسل کے قلب و دماغ میں ازسرِنو راسخ کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ نتیجتاً نوجوان نسل انتہائی تیزی اور قوت کے ساتھ سیاسی، سماجی اور ثقافتی میدانوں میں اسلام کی سربلندی کے لیے کوشاں ہوگئی۔

اسلامی تحریک کو مختلف سطحوں پر مسلسل ایسی سازشوں کا ہدف بنایا گیا جو اسے مکمل طور پر ختم کرنے کے لیے کافی تھیں لیکن اس کے باوجود ہم پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی

تحریکوں نے ان ممالک کے اسلامی تشخص کا معرکہ جیت لیا، حتیٰ کہ تیونس پر مسلط سنگ دل و بدمزاج سیکولر نظام ___ جو دینی شعائر اور اسلامی تعلیمات کا سخت مخالف تھا ___ بھی اس بات پر مجبور ہو چکا ہے کہ وہ مسلمانوں میں اسلامی شناخت رکھنے والے اطلاعاتی ونشریاتی چینلوں کو کھولنے کی اجازت دے، اور سیاسی اسلام کے حقیقی نمایندوں، مثلاً شیخ القرضاوی اور الشیخ سلمان العودۃ کو تیونس کے تبلیغی ودعوتی دورے کرنے میں مزاحم نہ ہو۔

لیبیا کے ماسوا عالمِ عرب کے اس پورے مغربی خطے کے ممالک میں عربیت اور فرانسیسیت کے حامیوں کے مابین ثقافتی معرکہ آرائی اب تک جاری ہے۔ کسی فریق کو اگر ایک قدم کامیابی نصیب ہوتی ہے تو دوسرے قدم پر پسپائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ آزادی کی نصف صدی کے بعد بھی فرانسیسی زبان انتظامیہ، مالی امور، یونی ورسٹی کی تعلیم، میٹرک کی سطح کی تعلیم، بلکہ پرائمری تعلیم تک چھائی ہوئی ہے۔ الجزائر میں تعریب (Arabization) کا جو پروگرام شروع ہوا تھا، ۱۹۹۲ء میں اسلامی محاذ (الجبهة الاسلامية) کو کچلنے کے بعد اسے مکمل طور پر ترک کر دیا گیا ہے۔

آیئے ان ممالک کی موجودہ صورت حال کا مختصر جائزہ لیں:

● **تیونس**: تیونس میں اسلامی بیداری کی لہر کو مسلسل بیخ کنی کی پالیسی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ گذشتہ اور موجودہ دورِ حکومت میں وہاں پر اسلام کے سرچشمے خشک کرنے کی پالیسی پر عمل ہوتا رہا ہے۔ اسلام سے متعلق ہر چیز کو ہدف بنایا گیا، حتیٰ کہ ایک لمبے عرصے تک نماز کی ادایگی کو بھی سیاسی صف آرائی کی علامت قرار دیا جاتا رہا۔ حجاب ممنوع تھا اور اب تک ممنوع ہے۔ اسلام سے متعلق لٹریچر ___ حتیٰ کہ قدیم اسلامی کتب کی اشاعت اور تہذیب و تالیف پر پابندی ہے۔ وزارتِ داخلہ کے سیاسی امور سے متعلق شعبے کے کمیونسٹ افسروں کی اجازت کے بغیر پورے ملک میں کوئی کتاب قابلِ مطالعہ نہیں ہوتی۔ یہ اقدامات ۱۹۸۹ء کے ان انتخابات کے بعد شدید تر ہو گئے جس میں حركة النهضة الاسلامية (اسلامی تحریک نہضت) نے انتخابات میں بھرپور کامیابی حاصل کی تھی۔ جمہوریت کے دعوے دار مغربی ممالک کی آشیرباد سے انتخابی نتائج مسخ کر دیے گئے اور کامیاب امیدواروں کو گرفتار کر لیا گیا۔

تیونس اب تک یہ انتخابی نتائج تبدیل کر دینے اور عوام کی رائے سلب کر لینے کے بداثرات

سے چھٹکارا نہیں پا سکا۔ برسرِ اقتدار ٹولہ ملک پر اپنے قبضے کو مضبوط کرنے کے لیے ہر جتن کر رہا ہے۔ وہ اب تک اسلامی تحریک کی اس پیش رفت کو ہضم نہیں کر پایا۔ اس کی ہر ممکن کوشش ہے کہ قوم کے دل و دماغ سے تحریکِ نہضت کی قربانیوں اور انتخابی کامیابی کو نام نہاد ترقی کے نعروں کے ذریعے محو کر دے۔ حکمرانوں نے یہ تہیہ کر رکھا ہے کہ وہ اپنے مخالفین کو کچلنے کے لیے ہر ہتھکنڈہ استعمال کریں گے۔ حکمران ٹولے کی تمام پالیسیوں میں یہی سوچ اور یہی خوف غالب ہے۔ اس پالیسی کو اپنانے اور جاری رکھنے میں حکمران ٹولے کو بیرونی سانحات و واقعات سے بھی خوب تقویت ملی ہے۔ چنانچہ الجزائر کے اسلامی محاذ کے خلاف حکومتِ الجزائر کے اقدام سے شہ پا کر تیونسی حکومت نے بھی اسلامی تحریک کو مزید کچلنا شروع کر دیا اور ۱۱ستمبر کے سانحے کے بعد 'دہشت گردی کے خلاف جنگ' کے نام پر شروع ہونے والی عالمی امریکی یلغار کو بھی اپنے انھی مذموم مقاصد کی خاطر استعمال کیا۔

● **الجزائر**: اب تک ۱۹۹۲ء کے ان انتخابات کے نتائج کے خوف میں مبتلا ہے جنھیں مسترد کر کے فوج نے حکومت پر قبضہ کر لیا تھا۔ تحریکِ اسلامی کو کچلنے کے لیے فوج کی برپا کردہ شورش کو ۱۵ برس سے زیادہ گزر چکے ہیں۔ اس دوران میں الجزائر کو 'اسلامی خطرات' سے 'محفوظ' کرنے کے کئی اقدامات کیے جا چکے ہیں، مگر ابھی تک الجبهه الاسلامیة للانقاذ (اسلامک سالویشن فرنٹ) کا ہوّا اور خوف، فوج کے ذہن و قلب پر چھایا ہوا ہے۔ فوج نے قوم کے حق رائے دہی اور اس کے شہری اداروں کی خودمختاری کو سلب کر رکھا ہے۔ فوج کو ہر وقت یہی اندیشہ رہتا ہے کہ کہیں اُسے پھر اسلامک فرنٹ جیسی کسی قوت کی کامیابی کا صدمہ برداشت نہ کرنا پڑ جائے۔

اس ہدف کے حصول کے لیے حکمران ٹولہ ہر حربہ آزما چکا ہے، کئی صدر تبدیل کیے جا چکے ہیں، کئی بار انتخابات کا ڈھونگ بھی رچایا گیا ہے۔ انھوں نے تمام سیاسی حتیٰ کہ مسلح گروہوں سے بھی مصالحت کے متعدد دَور کیے ہیں، لیکن وہ کسی بھی صورت میں اسلامی محاذ اور اس کی اہم شخصیات کو میدانِ سیاست میں واپسی کا راستہ دینے کے لیے تیار نہیں۔ اس صورت حال کو اسلامی فرنٹ کی قیادت کو ہمیشہ کے لیے سیاست بدر کرنا قرار دیا جاسکتا ہے، نیز اس سے ملک پر مسلط ایجنسیوں کی طاقت کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے، جو عوام کے حقیقی عوامی نمایندوں کو ہر حالت میں اقتدار سے دُور

رکھنے پر مُصر ہیں۔

۹۰ کے عشرے سے لے کر اب تک الجزائر میں پانچ صدر برسرِ اقتدار آ چکے ہیں، بیسیوں وزرا آئے اور چلے گئے مگر ایک شخصیت ایسی ہے جو اب تک اپنے منصب پر قائم ہے اور وہ ہے عسکری انٹیلی جنس کے محکمے کا سربراہ۔ اسی سے اندازہ لگا لیجیے کہ اقتدار کے سرچشمے کا اصل مالک کون ہے؟

سیاسی ڈرامے میں شریک سبھی لوگوں نے اسلامی فرنٹ سے عوام کی وابستگی کھرچنے کے لیے باہم تعاون کیا ہے، مگر اس سال کے آغاز میں فلسطین میں غزہ کے واقعات نے گھڑی کی سوئیوں کو واپس ۷۰ کی دہائی میں پہنچا دیا ہے۔ اسرائیلی مظالم پر احتجاج کرتے ہوئے اسلامی فرنٹ کے اہم رہنما علی بلحاج اور ان کے ساتھیوں نے ۱۰ لاکھ افراد پر مشتمل جلوس کی قیادت کی، جس میں ۷۰ کی دہائی میں لگنے والے نعرے پھر دہرائے گئے۔ قومیں زود فراموش نہیں ہوا کرتیں بالخصوص الجزائری قوم جیسی مضبوط اعصاب کی مالک قوم کا حافظہ کمزور نہیں ہوا کرتا۔ لیکن اس قوم کو سیاسی اور سماجی بحرانوں کا سامنا ہے۔ الجزائر کے موجودہ سیاسی نظام کا ڈھانچا اور مزاج بالکل اپنے برادر ملک تیونس جیسا ہے۔

● **موریتانیا:** تیونس اور الجزائر میں اسلام پسندوں کو کچلنے کے اقدامات نے موریتانیا کی سیاسی صورت حال پر بھی منفی اثرات ڈالے ہیں، جہاں اسلامی تحریک کو متعدد مسائل کا سامنا کرنا پڑا، جس کے نتیجے میں موریتانیا کے حکمران ولد الطائع کی حکومت جاتی رہی۔ اس سے قبل اسلامی تحریک کو تسلیم کر لیا گیا تھا، اسے پارلیمنٹ میں جانے کا موقع بھی ملا اور ملک کی انتظامیہ میں بھی۔ یہ اس وقت ہوا جب ابھی فوج نے قومی حق خود ارادیت پر ایک بار پھر شب خون نہیں مارا تھا۔ فوج کے اس اقدام نے وقتی طور پر اسلامی تحریک کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ تحریکِ اسلامی، موریتانیا میں جمہوریت کی جانب واپسی کا نعرہ بلند کرنے والوں میں سرفہرست تھی۔ فوجی ٹولے نے اصولی موقف اور ترقی پذیر سوچ کے حامل افراد کو مسترد کر کے، فرینڈلی حزبِ اختلاف کو آگے بڑھانے کا موقع فراہم کیا۔ اگرچہ موریتانیا کے کچھ بالائی طبقے فرانسیسی زبان و تہذیب کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں، تاہم مجموعی طور پر موریتانیا اب بھی شرعی علوم اور عربی علوم و آداب کا مضبوط قلعہ ہے۔ تحریک اسلامی کے دینی تعلیمی ادارے اور تحریکی علماے کرام معاشرے میں انتہائی عقیدت و احترام کی نگاہ

سے دیکھے جاتے ہیں۔

● مراکش: مقامِ شکر ہے کہ تیونس اور الجزائر میں اسلام پسندوں اور جمہوریت کے خلاف کیے گئے اقدامات نے مراکش پر زیادہ منفی اثرات نہیں ڈالے۔ وہ اب تک اپنی مستحکم تاریخی و دینی حیثیت برقرار رکھے ہوئے ہے۔ وہاں پر بادشاہ اور عوام کے مابین تعلّق، بڑی حد تک باہمی احترام اور خیر سگالی پر مبنی ہے اور ایک ایسا سیاسی نظام قائم ہے جس میں کسی قدر جمہوریت سے بھی استفادہ کیا جاتا ہے۔ مختلف سیاسی رجحانات رکھنے والے گروہوں ___ جن میں اسلام پسند طبقے بھی شامل ہیں ___ کے مابین ایک طرح کی ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ ان میں بائیں بازو کے کچھ ریڈیکل گروپ ہیں اور کچھ سلفی جہادی گروپ، تاہم ان میں جماعة العدل والاحسان شامل نہیں ہے۔ ان اسلامی گروپوں میں سے جو غیر تشدد پسند ہیں جیسے جماعة العدل والاحسان ___ ان کے ساتھ سرکار کے تعلقات قدرے کشیدہ اور محتاط نوعیت کے ہیں اور ان تعلقات کی وہی نوعیت ہے جو مصر میں اربابِ اقتدار کی اخوان سے ہے۔ البتہ مراکش میں تشدد پسند مسلح جماعتوں کے خلاف مملکت کی تلوار ہر وقت بے نیام رہتی ہے۔

مراکش میں اسلامی تحریک کی سیاسی جماعت العدالة والتنمية (انصاف و ترقی پارٹی) کو ایک ایسی پوزیشن حاصل ہے جس نے اُسے حکومت مخالف پارٹیوں کی صفِ اوّل میں شامل کر دیا ہے۔ اس پارٹی نے یہ مقام ریڈیکل سے اعتدال پسند ہونے کا ایک طویل سفر طے کرنے کے بعد حاصل کیا ہے۔

مراکش میں بھی سماجی اور معاشی مسائل دیگر مسلمان ممالک کی طرح سنگین ہیں۔ اقتدار اور سرمایے سے وابستہ حکمران طبقے اور عوام الناس کے مابین بہت زیادہ فرق ہے۔ اس وجہ سے فساد، غربت، بے روزگاری اور قومی غیظ و غضب میں آئے دن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ مراکش کے حکمرانوں اور سیاسی عمل میں شریک پارٹیوں کے لیے یہی سب سے بڑا چیلنج ہے۔ یہی چیلنج ___ لیبیا کے استثنا کے ساتھ ___ خطے کے باقی ممالک کے حکمرانوں کو بھی درپیش ہے۔ تغیر اور تبدیلی کی تحریکوں کے لیے یہی چیلنج ایندھن کا کام دیا کرتا ہے۔

تعلیمی و ثقافتی منظر پر سیکولر طاقتوں اور اسلام چاہنے والوں، فرانسیسی بولنے والے اور عربی

بولنے والوں کے مابین ایک تصادم اور کش مکش برپا ہے، جس میں اسلام اور عربیت کا پلّہ بھاری ہے۔

● **لیبیا**: لیبیا کی صورت حال کے مطالعے سے ایک بات یہ سامنے آتی ہے کہ یہاں مغربی ثقافتی یلغار نسبتاً کمزور ہے، عربی اسلامی ثقافت کو برتری حاصل ہے، اور عربی زبان کو کسی لسانی مخالفت کا سامنا نہیں ہے، البتہ یونی ورسٹیوں کے کچھ شعبوں میں انگریزی ذریعۂ تعلیم ہے۔ دوسری یہ کہ اسلام پسند گروہوں کے ساتھ حکومت کے تعلقات نسبتاً بہتر ہیں، جن میں سے کچھ اخوان ہیں اور کچھ جہادی تنظیموں سے متعلّق لوگ ہیں۔ القذافی فاؤنڈیشن نے اسلام پسندوں کے ساتھ مذاکرات شروع کیے۔ اس کی ابتدا، جیل میں قید اور جیل سے باہر اخوانیوں سے ہوئی۔ ان مذاکرات کے نتیجے میں انھیں رہا کر کے ملازمتوں پر بحال کر دیا گیا اور مدتِ اسیری کی تنخواہیں بھی ادا کر دی گئیں۔ ان کی سرگرمیوں کے لیے مناسب دائروں کے تعیّن کے لیے مذاکرات کا سلسلہ جاری ہے۔ مذاکرات کا دائرہ اب 'مسلح اسلامی جماعت کے قیدیوں' تک بڑھا دیا گیا ہے۔ اب مذاکرات اس نہج پر آگے بڑھ رہے ہیں کہ یہ لوگ تشدد کی کارروائیاں بند کر دیں گے اور حکومت باقی ماندہ قیدیوں کو رہا کر دے گی تاکہ یہ بھی ملک کے باقی شہریوں کی مانند اس اصلاحی منصوبے میں شرکت کے اہل ہوسکیں جس کی قیادت القذافی فاؤنڈیشن کر رہی ہے اور جس کا مقصد دستور کی بالادستی بحال کرنا ہے۔ مذاکرات کی کامیابی کی صورت میں دستوری پوزیشن کی بحالی کے لیے قومی کانفرنسوں کا سلسلہ شروع ہوگا۔ ان کانفرنسوں کے شرکا کا ایک گروپ لیبیا کے لیے ایک نئی دستوری دستاویز تیار کرے گا۔ تحریکِ اسلامی کے کچھ افراد جیسے الشیخ علی الصلابی بھی ان ماہرین کے ساتھ مل کر کام کریں گے۔ یہ منصوبہ ابھی حکام اور اپوزیشن کے مابین زیرِ بحث ہے۔

تحریک اسلامی کا مستقبل

ان ممالک میں تحریک اسلامی کا مستقبل کیا ہے؟ اس حوالے سے یہ نکات قابلِ غور ہیں:

● **جبر کے باوجود بیداری کی لہر**: ثقافتی و تعلیمی لحاظ سے اس خطے کے ممالک میں دو طرح کے حالات پائے جاتے ہیں۔ ایک وہ ممالک ہیں جن میں اسلام اور عربی زبان و ثقافت کے بارے میں اعتدال کا رویہ اختیار کیا جاتا ہے، اگرچہ وہاں کا حکمران طبقہ اس اعتدال کا پابند نظر نہیں آتا، بالخصوص الجزائر اور مراکش میں، جہاں فرانسیسی زبان بولنے والوں کا طبقہ تعلیم و

تدریس، ذرائع ابلاغ اور سیاست کے میدانوں میں گہرے اثرورسوخ کا مالک ہے، لیکن یہ لوگ رائے عامہ کے نمایندے نہیں، اس لیے تحریکِ اسلامی کے ساتھ ان کا ٹکراؤ رہتا ہے۔ یہاں اسلام اور سیکولرازم کے مابین تصادم بھی جاری ہے۔ اس تصادم کا اصل اور نمایاں سبب تو سیاسی کش مکش ہے، تاہم تعلیمی و ثقافتی وجہ بھی موجود ہے۔ یہ صورتِ حال موریتانیا سے لیبیا تک کے اکثر ممالک میں پائی جاتی ہے۔

دوسری صورتِ حال کا نمونہ تیونس ہے۔ تیونس پر اپنے بانی صدر بورقیبہ کی گہری چھاپ ہے۔ جس نے کچھ اپنی کوشش اور کچھ بیرونی استعماری طاقتوں کی مدد سے 'قومی تحریک' کی قیادت پر قبضہ کر لیا۔ صدر بورقیبہ کچھ زیادہ ہی مغرب زدہ تھے۔ اتاترک اس کی پسندیدہ شخصیت تھی۔ ان دونوں باتوں نے اس کی شخصیت و ذہنیت کو ایک خاص نہج پر ڈھال دیا۔

الجزائر، مراکش اور موریتانیا میں بھی کم و بیش تیونس جیسے گروہ کو اقتدار سے بہرہ ور ہونے کا موقع ملا ہے، مگر یہ لوگ اقتدار کی بنا پر وہ کچھ نہیں کر سکے جو تیونس میں ہوا۔ ان تینوں ممالک میں حکمران ٹولے کو تیونس کی طرح کا مغرب زدہ معاشرہ ورثے میں نہیں ملا۔ تیونس میں حبیب بورقیبہ نے ملک کا سربراہ مقرر ہوتے ہی اسلام کے عقائد، شریعت اور شعائر پر حملوں کا آغاز کر دیا، جس کے نتیجے میں ملک میں ایک انتہاپسند سیکولر اور مخالفِ اسلام ٹولہ وجود میں آ گیا۔ اس گروہ نے اسلام کو ختم کر دینے یا پھر اسے مغربی نمونے کے مطابق ڈھالنے کا مشن سنبھال لیا۔ اس طرح تیونس میں عوام الناس سے الگ تھلگ ایک اعلیٰ طبقہ قائم ہو گیا جو عوام کو حقیر و کمتر سمجھتا تھا۔ رنگ و نسل پر مبنی ایک سخت متعصبانہ نظام میں جو تعلق گوروں کا سیاہ فاموں سے ہوتا ہے وہی اس طبقے کا عوام سے تھا۔ عصرِ حاضر کے مشہور مؤرخ پروفیسر محمد الطالبی نے اپنی کتاب الانسلا خیّون میں اس طبقے کے حالات کو بڑی خوبی سے بیان کیا ہے۔ تحریکِ اسلامی کے لیے اس قسم کے طبقۂ اشرافیہ کے ساتھ معاملہ کرنا بہت مشکل تھا۔

تیونس کے موجودہ صدر زین العابدین بن علی کے دورِ حکومت میں اس سیکولر انتہاپسندی میں کسی قدر کمی ہوئی ہے، کیونکہ عوام نے اس انتہاپسندی کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ بن علی کا تعلق بھی اِس مخصوص سیکولر لابی سے تھا، اقتدار پر ذاتی تسلط رکھنے کی اس کی حرص، نیز سیکورٹی

کے بارے میں اس کے مخصوص مزاج کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس نے اقتدار پر اپنے شخصی تسلّط کے لیے تحریکِ اسلامی کو سب سے بڑا خطرہ سمجھا اور اسے کچلنے کا تہیہ کرلیا۔ ۱۹۸۹ء کے انتخابات میں تحریکِ نہضت کی کامیابی نے اس کے ارادوں کو مزید پختہ کیا۔ یہ نتائج خود تحریک کے لیے بھی حیران کن تھے، چنانچہ صدر بن علی نے نہضت کو مکمل طور پر میدان سے باہر دھکیلنے کا مصمم ارادہ کرلیا۔ اس مقصد کے لیے اس نے اپنے تمام سیاسی اور نظریاتی مخالفین سے بھی مدد لی۔ ان سب لوگوں نے اسلام عربیت اور اسلامی ثقافت پر یلغار کی خاطر صدر بن علی کے ساتھ مکمل تعاون کیا۔ تاہم، گذشتہ برسوں میں سیکولر اتحاد میں قدرے کمی آئی ہے، اسلامی تحریک کو کچلنے کے جامع سیاسی منصوبے پر اب بھی اسی طرح عمل کیا جارہا ہے۔ جیلوں سے نہضت کے تقریباً ۳۰ ہزار قیدی رہا ہوچکے ہیں۔ اب صرف اسلامی تحریک کے سابق سربراہ ڈاکٹر صادق شورو اور ان کا بھائی جیل میں رہ گئے ہیں۔ جیلوں سے رہا ہونے والے یہ ہزاروں شیدائیانِ اسلام اپنے دین پر استقامت سے قائم رہے ہیں۔ انھوں نے اذیت رسانی کا ہر مرحلہ بڑی پامردی سے طے کیا ہے۔ ان میں سے کئی ایک نے شہادت کے منصب پر فائز ہوکر یا بتدریج موت کے منہ میں جاکر اپنے پیچھے عظیم یادیں چھوڑی ہیں۔ ہزاروں نوجوان تنگ وتاریک جیلوں سے باہر آکر اب ملک کی کھلی اور متحرک جیل میں آچکے ہیں۔ پولیس کی نگرانی میں ہیں، ملک سے باہر جاسکتے ہیں، نہ ملک کے اندر سفر وحرکت میں آزاد ہیں۔ سرکاری ملازمتوں کے دروازے ان پر بند ہیں۔ علاج معالجے کے حق سے بھی محروم ہیں۔ سیاسی اور سماجی تنہائی کا شکار ہیں۔ گویا وہ غزہ میں محصور ہیں۔ ان کی اس حالت کو بجا طور پر قسط وار موت کہا جاسکتا ہے۔

یہ نہ سمجھا جائے کہ ملک کی جیلیں اب خالی پڑی ہیں۔ بدقسمتی سے ان جیلوں کو ملک کی آزادی کے بعد کبھی ایک لمحے کے لیے بھی خالی نہیں رکھا گیا۔ ایک گروپ رہا ہوتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ پہلے بائیں بازو والوں کی جگہ اسلام پسند بندر ہے۔ آج کل نہضت کے کارکنوں کی جگہ الصحوۃ 'بیداری' کے نوجوانوں کا اسلامی گروپ بند ہے۔

تیونس کے ماضی قریب کے حالات کے تجربے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اسلام کے سرچشموں کو خشک کرنے کا سرکاری منصوبہ بیداری کی نئی لہر کے سامنے بالکل ناکام ہوگیا ہے، اسی طرح برسرِ اقتدار طبقے کا تحریکِ نہضت کو کچلنے اور اسے الگ تھلگ کرنے کے منصوبے کو بھی ناکامی

کا منہ دیکھنا پڑا ہے۔ چنانچہ نہضت حزبِ مخالف کی مختلف الجہات جمہوری پارٹیوں کے ساتھ اتحاد کر کے دوبارہ میدانِ سیاست میں آچکی ہے۔ نہضت نے اپنی کارکردگی پر نظرثانی کی ہے اور حالات و مواقع کا اندازہ لگانے میں اس سے جو غلطیاں سرزد ہوئیں ان کا برملا اعتراف کیا ہے۔

بیداری کی اس تازہ لہر کی وجہ سے حکومت نے بھی، اسلام کے سرچشموں کو خشک کرنے کے اپنے منصوبے سے پسپائی اختیار کرنا شروع کر دی ہے۔ چنانچہ حکومت نے ریڈیو الزیتونۃ کو قرآن کریم کی تلاوت وتشریح اور دینی مواعظ کی اجازت دے دی ہے۔ اس ریڈیو اسٹیشن نے بہت تھوڑی مدت میں مقبولیت حاصل کر لی ہے۔ مخالفوں کو کچلنے کی سیاست سے یہ تدریجی پسپائی کمیونسٹوں اور بورقیبوں کے لیے باعثِ تشویش ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ کسی طور آمریت کے سہارے پھر سے تحریک نہضت کو اپنا سیاسی ہدف بنائیں۔

فی الوقت کوئی ایسی علامات سامنے نہیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہو کہ برسرِ اقتدار طبقہ تحریکِ نہضت ___ یا کسی بھی سخت جان حزبِ مخالف کو مٹانے کے اپنے پروگرام سے دست بردار ہوجائے گا۔ تیونس کے ماضی کے ورثے میں استبداد اور شخصی حکمرانی کے سوا کچھ ہے ہی نہیں۔ یہ خیال کہ تیونسی حکمران اپنی روش بدل لیں گے محض ایک دل فریب آرزو ہے، تاہم پیش رفت ضرور ہے جو خوش آیند بات ہے۔

● **سیاسی تشخص**: ان ممالک میں تحریکِ اسلامی نے مختلف سطحوں پر جس طرح اپنے تشخص کا معرکہ جیت لیا ہے، اسی طرح اُس نے کبھی حکومت میں شریک ہوکر اور کبھی حزبِ اختلاف کی صورت میں اپنا سیاسی وجود بھی منوالیا ہے۔ اس نے نوجوان نسل کے دلوں تک رسائی حاصل کرلی ہے اور یوں مراجعت الی الاسلام (اسلام کی طرف واپسی) کی منزل قریب آگئی ہے۔ اگر کوئی محقق اس بات کا تدریجی جائزہ لے کہ تیونس میں حقوقِ انسانی کے مسئلے میں کیا پیش رفت ہوئی ہے تو وہ یقیناً اس نتیجے تک پہنچے گا کہ تحفظ حقوقِ انسانی کی جدوجہد میں تحریکِ اسلامی کا کردار فیصلہ کن رہا ہے۔

جب حقوقِ انسانی کے تحفظ کی خاطر تیونسین لیگ کے نام سے ایک اتحاد وجود میں آیا تو مارکسی طاقتوں نے اس تنظیم سے حامیانِ اسلام کو دُور کرنے کے لیے ہرممکن کوشش کی، مگر اب

حقوقِ انسانی کی ان تنظیموں کی کامیابی سب کو دکھائی دے رہی ہے جو اسلام پسندوں کے قریب تر ہیں۔ پہلے یہ تنظیمیں بائیں بازو کے کسی شخص کا پاسپورٹ ضبط کروانے کی تو مذمت کرتی تھیں مگر اسے ان ہزاروں سیاسی قیدیوں کے بارے میں لب کشائی کی جرأت نہیں ہوتی تھی جن کی کھالیں ادھیڑی جارہی تھیں۔ وہ ان مظلوموں کے بارے میں چپ سادھے رکھتی تھیں، جو صرف حکومتی پالیسیوں کی مخالفت کے باعث جیلوں میں ٹھونس دیے گئے تھے۔ یہ تنظیمیں حقوقِ انسانی کے یورپی اداروں کے توسط سے تیونس کے حکمرانوں کے لیے حسنِ کارکردگی کے سرٹیفیکیٹ حاصل کرنے میں لگی رہتی تھیں۔ آج حقوقِ انسانی کے لیے کام کرنے والی تنظیموں کی اکثریت اسلام پسندوں کے قریب ہے۔

غرضیکہ تحریکِ اسلامی نے اسلام کی طرف سفر کا ایک مرحلہ بحسن وخوبی طے کر لیا ہے۔ مسلمان معاشرے تمام تر سختیوں، رکاوٹوں اور پابندیوں کے باوجود اسلام ہی سے اظہار محبت کرتے ہیں۔ اپنے درخشندہ مستقبل کے لیے ان کی واحد اُمید اسلام ہی ہے۔

● **ہمہ جہت جدوجہد:** آج تحریکِ اسلامی کی جدوجہد محض ملکی تشخص کے دفاع تک محدود نہیں بلکہ اسے ایک عظیم تر مہم درپیش ہے۔ آج بھی توسیع پسندانہ عزائم کی حامل بڑی قوتوں کی طرف سے ان ممالک کو نشانہ بنا کر ہر طرح کے حملے کیے جارہے ہیں۔ تحریکِ اسلامی وسیع تر اصلاح کی علَم بردار سماجی تحریک ہے۔ سیاست تو اس کا صرف ایک پہلو ہے۔ اگر مملکتیں استبداد پر مبنی نہ ہوتیں اور ان میں حد سے بڑھی ہوئی مرکزیت نہ ہوتی تو تحریکِ اسلامی اُن سے ہرگز متصادم نہ ہوتی اور اس کی سب سے بڑی سرگرمی دعوت دین کے ساتھ ساتھ عوام کی صحت، تعلیم اور ترقی میں ان کی خدمت ہوتی۔

تحریک اسلامی کا ایک اور شان دار کارنامہ نوجوان نسل کو منشیات، جرائم اور بے کاری کے مشاغل سے بچانا ہے۔ وہ احیاے اسلام کی مہم بھی جاری رکھے ہوئے ہے، نیز اپنے اپنے ملکوں کی خودمختاری، تحفظ اور استحکام کے لیے بھی کوشاں ہے۔ اُسے عالمِ اسلام کے مسائل، جیسے فلسطین، عراق اور افغانستان سے بھی گہری دل چسپی ہے۔

تحریکِ اسلامی کو جب بھی آزادی کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملتا ہے تو وہ غریبوں، یتیموں، بے سہارا افراد کی نگہداشت اور مستحق جوڑوں کی شادی کرانے جیسے سماجی کاموں میں بھی

خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ تحریکِ اسلامی بالعموم حزبِ اختلاف میں رہی ہے ___ خواہ اسے حزبِ مخالف تسلیم کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو۔ اس کے ساتھ ان کی حکومتوں کا رویہ یا تو احتیاط کا ہے، یا پھر سرکاری مشینری کھلم کھلا اس کے خلاف کام کر رہی ہے۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ پورے خطے میں طاقت ور ترین حزبِ اختلاف تحریکِ اسلامی ہی ہے۔

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ ان ممالک میں تحریکِ اسلامی نے رائے عامہ کو اپنے حق میں ہموار کرنے کا معرکہ سر کرلیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر غیر جانب دارانہ شفاف انتخابات میں اس کا پلڑا بھاری رہتا ہے، خواہ یہ ملک کے عام سیاسی انتخابات ہوں یا طلبہ یا کسی مزدور یونین وغیرہ کے۔ لہٰذا اب ان تحریکوں کا حکومت کے ایوانوں تک پہنچنا محض وقت کا مسئلہ رہ گیا ہے۔

تفصیلی تجزیے کے بعد ہم اس نتیجے تک پہنچے ہیں کہ موجودہ حالات میں کسی بھی ملک میں تحریکِ اسلامی کا تنہا اقتدار سنبھالنا نہ صرف اس کے لیے، بلکہ متعلقہ ملک کے مفاد میں بھی نہیں، خواہ ووٹوں کی اکثریت کی بنا پر تنہا حکومت کرنا اس کا حق ہی کیوں نہ ہو۔ تحریکِ اسلامی کی یہ کوشش ہونی چاہیے کہ وہ مختلف معاہدوں کے ذریعے اقتدار میں شریک ہوکر معاشرے میں بنیادی تبدیلی لائے اور دیگر حکومتی امور سرانجام دے۔ بتدریج تبدیلی ہی زیادہ مؤثر اور دیرپا انقلاب کا باعث ہوتی ہے۔ بتدریج عمل کائناتی اور عمرانی حقیقت ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا o وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا o (نوح ۷۱:۱۳-۱۴)

تمھیں کیا ہوگیا ہے کہ اللہ کے لیے تم کسی وقار کی توقع نہیں رکھتے، حالانکہ اس نے طرح طرح سے تمھیں بنایا ہے۔

(یعنی وہ تمھیں تخلیق کے مختلف مدارج اور اطوار سے گزارتا ہوا موجودہ حالت پر لایا ہے۔)

(بہ شکریہ الجزیرہ نیٹ، ۷/اپریل ۲۰۰۹ء)

(راشد الغنوشی تحریک نہضت اسلامی تیونس کے سربراہ اور معروف دانش ور ہیں۔ اس وقت برطانیہ میں ملک بدری کی زندگی گزار رہے ہیں۔)